پاکستان میں جمہوریت کا مستقبل

آج یہ سوال بڑی شدت سے ہمارے سامنے آ کھڑا ہے کہ کیا ہماری پارلیمنٹ خودمختار ہے اور اس کی کوئی وقعت ہے؟ موجودہ حالات میں کیا ہم جمہوریت کی طرف اپنے سفر کو آگے بڑھا سکیں گے یا یہ سفر یہیں ختم ہو جائے گا۔ ایل ایف او اور صدر کے ایکشن آرڈر کے تحت انتخابات کا فیصلہ ہوا تو ہم نے اور تمام سیاسی جماعتوں نے اپنی اپنی مجالس میں اس بات پر غور کیا کہ کیا ان انتخابات میں حصہ لینا چاہیے یا نہیں۔ ہم نے اس سلسلے میں جنرل پرویز مشرف سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ آئین میں بنیادی ترامیم کرنا آپ کا یکطرفہ اقدام ہے جس کا آپ کو حق حاصل نہیں ہے۔ آپ نے ارکان اسمبلی کی تعداد بڑھا دی ہے جس کی آئین اجازت نہیں دیتا۔ سپریم کورٹ کو آئین میں تبدیلی کرنے کا خود اختیار حاصل نہیں ہے تو وہ دوسروں کو یہ حق کیسے دے سکتی ہے کہ وہ انہیں آئین میں ترمیم کرنے کا مجاز بنا دے۔

ہمارے لیے یہ بنیادی بات تھی کہ ہم ان انتخابات میں حصہ لیں یا نہ لیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صدر مشرف نے ایسا آرڈر جاری کیا تھا جو نہ صرف دستور سے متجاوز تھا بلکہ سپریم کورٹ نے انہیں جو اختیار دیا تھا اس سے بھی متجاوز تھا۔ سپریم کورٹ نے انہیں یہ اختیار نہیں دیا تھا کہ وہ آئین میں ترمیم کریں بلکہ سپریم کورٹ نے انہیں تین سال کی مدت دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ وہ جہاں کوئی دستوری رکاوٹ محسوس کریں تو اس رکاوٹ کو ختم کرنے کا کسی حد تک آپ کو اختیار ہے۔

ہمارے لیے ایک صورت تو یہ تھی کہ ہم سڑکوں پر نکل کر احتجاجی مہم شروع کر دیں لیکن ہم نے اس کے برعکس یہ فیصلہ کیا کہ انتخابات جس طرح سے بھی ہوں گے، عوام کے نمائندے منتخب ہو کر آئیں گے۔ ہم پارلیمنٹ کے اندر جمہوریت کی جدوجہد کو آگے بڑھائیں گے۔

ہم بہت سارے کمپرومائزز کر کے اسمبلیوں میں پہنچے ہیں اور ہمیں یہ امید تھی کہ ہم جمہوریت کے سفر کو آگے بڑھائیں گے لیکن بدقسمتی سے اس میں بہت ساری رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ اس میں سب سے پہلی جو رکاوٹ ڈالی گئی وہ یہ ہے کہ حکمرانوں نے کہا کہ ایل ایف او آئین کا حصہ ہے۔ ہم نے اسے آئین کا حصہ ماننے سے انکار کر دیا اور حکمرانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ آئین میں کوئی تبدیلی اس پروسس سے گزر کر ہی ہو سکتی ہے جو آئین کے اندر درج ہے۔ اس کے بغیر کوئی تبدیلی آئین میں نہیں ہو سکتی۔ ہم نے اس پر لڑائی لڑی بالآخر سومرو صاحب جو اس وقت پریذائیڈنگ آفیسر تھے، انہوں نے آئین کی کاپی لہرا کر ارکان اسمبلی سے کہا کہ یہ آئین کی کاپی میرے پاس ہے اس میں کوئی ایل ایف او نہیں ہے۔ آپ وہی حلف اٹھا رہے ہیں جو 1973ء کے آئین میں درج ہے۔

قومی اسمبلی کے اجلاس سے پہلے ہمارے پرویز مشرف کی فوجی ٹیم کے ساتھ مذاکرات ہوئے تھے۔ یہ مذاکرات پیپلز پارٹی کے امین فہیم اور دوسرے لوگوں نے بھی کیے تھے جس میں ایل ایف او زیر بحث آیا اور یہ مذاکرات اس وقت ٹوٹ گئے جب ایل ایف او پر اصرار کیا گیا کہ یہ آئین کا حصہ ہے۔

چنانچہ ہم نے ایم ایم اے کے تحت ایک اجلاس بلایا جس میں چوہدری شجاعت حسین صاحب، مسلم لیگ ق کی طرف سے آئے تھے۔ ان کے ساتھ سید افتخار گیلانی تھے۔ اس راؤنڈ میں پیپلز پارٹی کے راجہ پرویز اشرف صاحب تھے اور ان کے ساتھ نیئر بخاری صاحب تھے اور یہ سب مسلم لیگ ن اور اے آر ڈی کی نمائندگی کر رہے تھے۔ نوابزادہ نصراللہ خان مرحوم نے ان کو بھیجا تھا اور اس میں جتوئی صاحب بھی تھے۔ فاروق لغاری بھی تھے۔ اس اجلاس میں ہم نے چوہدری شجاعت حسین صاحب کے سامنے یہ بات رکھی کہ حکومت کا موقف یہ ہے کہ یہ ایل ایف او آئین کا حصہ ہے اور ہمیں اس کو پارلیمنٹ سے منظور کرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا یہ موقف ہے کہ جب تک یہ اس آئینی پروسس کے مطابق منظور نہیں ہوگا جو آئین میں درج ہے، اس وقت تک ہم اس کو آئین کا حصہ تسلیم نہیں کرتے۔ چوہدری شجاعت حسین صاحب سے دوٹوک الفاظ میں ہم نے یہ سوال کیا کہ آپ ہماری طرف ہیں یا پرویز مشرف کی طرف ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں "پل" بنا دیں۔ ہم دونوں اطراف کے درمیان پل کا کام کریں گے۔ مذاکرات کا ایک دور اس طریقے سے شروع ہوا اور اس میں ہم نے حکومت سے متفقہ طور پر مطالبہ کیا کہ قومی اسمبلی اور سینیٹ کا اجلاس بلایا جائے کیونکہ پارلیمنٹ کے اجلاس بلانے میں تاخیر سے crisis بڑھ رہا ہے۔ ہم جمہوریت کے اس پروسس کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں بالآخر اجلاس بلایا گیا اس میں crisis پیدا ہوا۔ اس کو حل کر دیا گیا اور پریذائیڈنگ آفیسر نے کہا کہ ایل ایف او آئین کا حصہ نہیں ہے۔ ممبران اسمبلی مجھ سے حلف لے لیں۔ پھر حلف لینے کے بعد اس ایوان میں مسلسل یہ مسئلہ کھڑا رہا اور ایک بحران پیدا ہوا تو میر ظفر اللہ خان جمالی صاحب

نے پھر initiative لیا اور ہم سب لوگوں کو وزیراعظم ہاؤس میں بلایا اور کہا کہ ہم بات کرنا چاہتے ہیں۔ بات چیت کے پہلے دور کا آغاز ہوا اور پھر کچھ تعطل کے بعد اجلاس دوبارہ بلایا گیا اور بالآخر چوہدری امیر حسین صاحب کے زیر صدارت مذاکرات کا ایک دور شروع ہوا جس میں ساری اپوزیشن پارٹیوں کی نمائندگی موجود تھی۔ اس میں پیپلز پارٹی والے بھی تھے اور مسلم لیگ ن والے بھی شامل تھے۔ ایم ایم اے بھی تھی۔ مذاکرات کے بالکل آخری دور میں اے آر ڈی نے بائیکاٹ کیا، ہم اکیلے رہ گئے۔ ہم نے مذاکرات کو آگے بڑھایا۔ اس دوران میں پھر ایک تعطل پیدا ہوا جس کے بعد ہم نے تجویز پیش کی کہ ایس ایم ظفر صاحب کو مذاکراتی ٹیم میں شامل کیا جائے کیونکہ وہ ایک قانونی دماغ اور عادلانہ مزاج رکھتے ہیں۔ چوہدری شجاعت حسین صاحب ان کو میرے گھر لے آئے اور ہم نے ان سے یہ درخواست کی کہ مذاکرات کو آگے بڑھایا جائے۔ بنیادی بات ہی یہی تھی کہ وردی اتارنے کی ایک تاریخ دی جائے ورنہ باقی ساری چیزیں طے ہو گئی تھیں۔ ایک مرحلے پر ایم ایم اے کے ساتھ ان کی بات طے ہو گئی تھی کہ ایم ایم اے والے نائب وزیراعظم اور اسپیکر کا عہدہ لے لیں۔ نائب وزیراعظم کے لیے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا فیصلہ ہوا تھا جبکہ سپیکر کے لیے لیاقت بلوچ صاحب کا فیصلہ ہوا تھا۔ مرکزی حکومت اور چاروں صوبوں میں حکومتوں میں حصہ دینے اور اہم وزارتیں دینے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ یہ ساری بات اس وجہ سے ٹوٹ گئی کہ ہم نے مطالبہ کیا کہ دستور کے اندر ایک متعین تاریخ مقرر کر دی جائے کہ اس کے بعد چیف آف آرمی سٹاف صدر نہیں رہے گا، دونوں عہدے اکٹھے نہیں رہیں گے۔ کیونکہ چیف آف آرمی سٹاف اگر صدر ہوگا، ہم اس کو مارشل لاء اور فوجی حکومت کا تسلسل سمجھتے ہیں۔ ہم اس کو جمہوری حکومت نہیں سمجھتے۔ ہماری بات ٹوٹ گئی تھی۔ ایس ایم ظفر صاحب نے دوبارہ کوشش کی اور انہوں نے اپنی کتاب میں اپنا بڑا کارنامہ یہی قرار دیا ہے کہ ہم نے ڈائیلاگ کے ذریعے سے ایک دستوری بحران کو حل کر دیا ہے اور اس میں بڑی کامیابی (achievement) ہی یہی ہے کہ ایک دستوری راستہ نکالا گیا جس کے تحت 31 دسمبر 2004ء سے پہلے پرویز مشرف وردی چھوڑنے کا پابند ہے چنانچہ صرف دستور میں نہیں بلکہ پرویز مشرف نے پوری دنیا کے سامنے ریڈیو اور ٹی وی پر اپنی تقریر میں کہا کہ "میں 31 دسمبر 2004ء سے پہلے اپنی وردی چھوڑ دوں گا اور اس دوران میں میں خود تاریخ مقرر کروں گا کہ میں نے کب یہ عہدہ چھوڑنا ہے۔"

اب بڑی بڑی قانونی موشگافیاں تلاش کی جا رہی ہیں اور اس کے اندر نکتے تلاش کیے جا رہے ہیں۔ موشگافیاں تلاش کرنے کی بجائے جو سیدھی بات ہے اور جو اللہ اور قوم کے سامنے عہد کیا ہے اسے پورا کیا جائے چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ اور منفعت بخش عہدہ منتخب عہدے کے ساتھ اکٹھا کیا جا رہا ہے۔ دستور کی دفعہ 63(1)d میں ڈس کوالیفیکیشنز ہیں کہ کوئی شخص قومی اسمبلی کا ممبر منتخب نہیں ہو سکتا جو کسی منفعت بخش سرکاری عہدے پر فائز ہو اور دوسری دفعہ میں ہے کہ جو قومی اسمبلی کا ممبر منتخب نہیں ہو سکتا وہ صدر بھی منتخب نہیں ہو سکتا۔ آئین میں یہ ترمیم کہ چیف آف آرمی سٹاف قومی اسمبلی کا ممبر منتخب ہو سکتا ہے کیا اس ترمیم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قومی اسمبلی کا منتخب ممبر چیف آف آرمی سٹاف بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قولوا قولاً سدیداً "صاف ستھری سیدھی بات کرو" سیدھی بات یہ ہے کہ ساری قوم کے سامنے وعدہ کیا گیا ہے اور سارے مذاکرات کا نچوڑ ہی یہی تھا کہ مارشل لاء اور فوجی حکومت کو ختم کیا جائے۔ اگر اس راستے کو بند کیا گیا تو یہ ملک و قوم کے لیے بڑی بدقسمتی ہوگی اور اس پورے پراسس (طریق کار) کی نفی ہوگی جس کے تحت ہم نے الیکشن میں حصہ لیا اور ایوان کے ساتھ امیدیں باندھیں، ہم نے ڈائیلاگ میں حصہ لیا۔ ہم نے اس کو ایک نتیجہ تک پہنچانے کے لیے کمپرومائزز کیے جس پر ہمیں طعنے سننے پڑے۔ صرف اس بات کے لیے کہ کوئی جمہوری، پرامن، مہذب اور شائستہ راستہ ایسا نکل آئے کہ ہم قرآن حکیم کے حکم کے مطابق آپس میں مشورے کے ساتھ اپنے معاملات حل کر سکیں اور مشورے کے ساتھ مہذب گفت و شنید کے ذریعے سے ایک راستہ نکالیں۔ ہم نے پوری کوشش کی لیکن دو عہدے رکھنے والے بل کے بعد پھر راستہ کیا رہ جاتا ہے۔ بات چیت کے بجائے ہمارے پاس وہی راستہ رہتا ہے جس کے نتیجہ میں مارشل لا آتا رہا ہے لیکن اس دفعہ مارشل لا نہیں آئے گا۔ اس دفعہ جب لوگ سڑکوں پر نکلیں گے تو وہ کسی فوجی کی حکومت کو برداشت نہیں کریں گے۔ لاوا پک رہا ہے اور اس کی پوری ذمہ داری پرویز مشرف پر ہے۔ پرویز مشرف بہانہ بناتا ہے کہ چونکہ "ایم ایم اے نے بدعہدی کی ہے اس لیے میں بھی عہد کو توڑتا ہوں۔" ہم نے کونسی بدعہدی کی ہے۔ خود حکومت کے اپنے نمائندے ایس ایم ظفر صاحب کی کتاب میں پورے documents دستاویزات کی نقل موجود ہے اور اس معاہدہ کی نقل بھی موجود ہے۔ ہم نے واضح طور پر یہ کہا تھا کہ ہم ایوانوں میں موجود رہیں گے لیکن صدر کو اعتماد کا ووٹ نہیں دیں گے۔ اس لیے نہیں دیں گے کہ ہمیں ان کی پالیسیوں سے اختلاف ہے۔ ہمیں اس کے امریکہ کے ساتھ پاکستان کو نتھی کرنے سے اختلاف ہے۔ ہمیں وزیرستان میں بمباری کرنے سے اختلاف ہے۔ ہمیں دینی مدارس کے اندر مداخلت کرنے سے اختلاف ہے۔ ہمیں اس ملک کو اپنی نظریاتی اساس سے کاٹ کے اس کو سیکولر راستے پر چلانے سے اختلاف ہے۔ ہمیں پرویز مشرف کے کمال اتاترک بننے سے اختلاف ہے۔ ہم پرویز مشرف کی پالیسیوں کے ساتھ کبھی بھی اتفاق نہیں کر سکتے۔ ہم اس کو اعتماد کا ووٹ کیوں دیں گے۔ بالکل واضح طور پر ایس ایم ظفر صاحب نے اپنی کتاب میں ہماری یہ بات لکھی ہے۔ دوسرا ان کا یہ کہنا ہے کہ ہم نے سیکورٹی کونسل کا کہا تھا کہ ایکٹ آف پارلیمنٹ کے طور پر اس کو پاس کریں گے لیکن سیکورٹی کونسل کے اس ایکٹ آف پارلیمنٹ کے پاس ہونے سے ہم پیچھے ہٹ گئے۔ ہم نے یہ نہیں کہا تھا بلکہ ہم نے کہا تھا کہ ہم فوج کو سیاست میں ملوث کرنے کے مخالف ہیں اور سیکورٹی کونسل کا ادارہ سیاسی ادارہ ہے۔ اس میں اگر چار چیف بیٹھے ہوں گے اور اس میں لیڈر آف [illegible]زیشن بھی ہوگا۔ لیڈر آف دی ہاؤس بھی ہوگا۔ اس میں میں سیاسی بحث مباحثہ ہوگا۔ اس میں ایک دوسرے کے خلاف لیڈر آف دی اپوزیشن اور لیڈر آف دی ہاؤس اپنا اپنا موقف بیان کریں گے۔ یہ چار چیف کیسے سیاست سے بچ سکتے ہیں۔ ہم اس کو درست نہیں سمجھتے۔ ہم اس کو آئین سے نکالیں گے اور اس کو نکالنے کے بعد آپ کے پاس سادہ اکثریت موجود ہے اور ایکٹ آف پارلیمنٹ کے طور پر آپ اسے پاس کرنا چاہتے ہیں تو بھلے کریں۔ آپ سادہ اکثریت سے فائدہ اٹھا کے آئین میں تبدیلی کر رہے ہیں۔ آپ تو ہر حد سے گزرنے کے لیے تیار ہیں اور آپ تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس اصل جو طاقت ہے بندوق کی طاقت ہے۔ آپ کے پاس ڈنڈے کی طاقت ہے۔ آپ کے سامنے تہذیب و اخلاق اور سارے اصول و قواعد کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی کیونکہ آپ کے پاس بندوق ہے۔ ہم نے ان سے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ ہم آپ کے اس ادارے کو قبول کریں گے اور نہ نیشنل سیکورٹی کونسل کے ادارے کو ہم نے قبول کیا اور اسی لیے ہم اس میں نہیں گئے۔ نہ ہمارے لیڈر آف دی اپوزیشن اور نہ ہمارے چیف منسٹر اس میں گئے۔ ہم نے کوئی عہد شکنی نہیں کی۔ اب بھی اپنے اس اصول پر قائم ہیں۔ اس طریقے سے ہم آئین کے ساتھ مذاق کو برداشت نہیں کریں گے۔

میر ظفر اللہ خان جمالی کا کونسا یہاں گناہ تھا کہ اس کو وزیراعظم کے عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ چوہدری شجاعت حسین بیچارے کی آپ نے کیوں اس طرح توہین کی کہ چالیس دن تک وزیراعظم رہے اور اس کے بعد انہیں ہٹا دیا گیا۔ شوکت عزیز بیچارے وہاں اپنے بینک چلا رہے تھے ان کو وہاں سے یہاں لا کر مصیبت میں ڈال دیا گیا ہے اب ان کے لیے سارا اسلام آباد بند ہو جاتا ہے لوگ برا بھلا کہتے ہیں۔ اسمبلی کو شائستگی کے ساتھ اور جمہوری طریقے سے اگر چلانا ہے اور جمہوریت کو بحال کرنا ہے تو یہ سارے طریقے واپس لینے پڑیں گے اور جو معاہدے کیے گئے ہیں ان کی پابندی کرنا ہو گی۔ جمہوریت کے سفر کو آگے چلنے دیا جائے ورنہ دوسرا راستہ پھر یہی ہے کہ ہم ایوان کی بجائے باہر سڑکوں پر آئیں گے اور پوری قوم اس کے لیے تیار ہے اور وہ ہمارا ساتھ دے گی اور پھر یہ جو کاسہ لیس ہیں یہ حکمرانوں کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ اگر ہم اسمبلیوں سے مایوس ہو گئے اور پرویز مشرف اور اس کے حواری اگر بدعہدی پر اتر آئے تو ہم نے عوام کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس وقت وزیرستان اور دینی مدارس کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے یہ جو سیکولرازم کی طرف قوم کو لے جایا جا رہا ہے اور جو عراق اور فلسطین اور ساری دنیا میں ظلم کر رہا ہے، پرویز مشرف صاحب اس کے اتحادی بنے ہوئے ہیں اور عالمی دہشت گرد کا ساتھ دے رہے ہیں۔ انشاء اللہ اس کا اب یوم حساب آئے گا اور اس کے نتیجہ میں انشاء اللہ العزیز یہاں ایک جمہوری دور آئے گا۔ شائستہ دور آئے گا۔ ایک ایسا دور ہوگا جس میں عوام کی بالادستی ہوگی۔